محمد حنیف ندوی

اہلِ منطق کی واماندگیاں

(سلسلہ کے لئے دیکھئے ثقافت مئی ۶۳ء)

حدود سے متعلق گیارہ اعتراضات کی تفصیل

بہر حال حدود و تعریف کے سلسلہ میں جو فنی دشواریاں حائل ہیں ان کی وضاحت ہو چکی۔ اب یہ دیکھئے کہ اس سے متعلق علامہ نے جو گیارہ اعتراضات پیش کئے ہیں ان میں ان کی جدتِ فکر، جودتِ طبع اور ذہانت علم کس درجہ نمایاں ہے۔ ہم ان اعتراضات کو ترتیب وار پیش کرتے ہیں۔

(۱) غیر بدیہی تصورات کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ ان کو صرف حدود ہی کے ذریعے فہم و فکر کی سطحوں کے قریب لایا جا سکتا ہے منطقی پیرایہ بیان میں یہ قضیہ سالبہ ہوا۔ سوال یہ ہے کہ اس سلب کی تائید میں کیا دلیل پیش کی جائیگی۔ اور جب پہلے ہی قدم پر یہ دعوائے بلا دلیل مان لیا گیا تو منطق سے متعلق یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو گا کہ یہ استدلال میں صحت و صواب کی ضامن ہے۔ یا

الٰہ قانونیۃ تعصم مراعاتھا الذھن ان یذل فی فکرہ (۱)

یہ ایسا قانونی آلہ ہے جس کو ملحوظ و مرعی رکھنے سے ذہن لغزشِ فکر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۲) حد کے معنی قول حاد (تعریف بیان کرنے والے) کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خود اس حاد نے حد کو کیونکر معلوم کیا۔ حد کے توسط سے؟ یا بغیر حد کی منت پذیریوں کے۔ اگر حد کے توسط سے معلوم کیا ہے تو پھر اس حد کو کسی اور حد کے ذریعہ معلوم کیا ہوگا۔ اور اس طرح یہ سلسلہ حدود یا تو لانہایہ تک وسعت پذیر ہو گا یا کہیں بصورت دَور ختم ہو جائیگا۔ اور یہ تسلسل و دور کی دونوں صورتیں

---

(۱) الرد ص ۱۰۸۔

بالاتفاق عقلاً ممنوع نہیں۔

(۳) یہ واقعہ تمام اہل علم میں جانا بوجھا ہے کہ مختلف علوم وفنون کے ماہرین بغیر اس کے کہ منطقی تعریف کے جھمیلوں میں پڑیں اپنے اپنے متعلقہ مسائل کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ ایک لغوی اعراب کی بوقلمونیوں کو پہچانتا ہے، ایک طبیب امراض کے اسباب وعلائم سے واقف ہے۔ ایک مہندس، ریاضیاتی مناسبتوں سے آشنا ہے، اور ایک صانع اپنے فن کی تفصیلات سے بخوبی آگاہ ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی ارسطو کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ اس صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب حدود سے تعرض کئے بغیر علم وفن کا کارخانہ جاری ہے تو اس کا مصرف کیا رہ جاتا ہے۔

(۴) مسئلہ کا یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ ارسطو سے لے کر اب تک علم وفن کی کوئی ایسی تعریف نہیں پیش کی جاسکتی کہ جو جامع مانع ہو، اور ہر طرح کے اعتراض اور قیل وقال سے مبرا ہو۔ حتےٰ کہ انسان کی اس روایتی تعریف پر بھی لوگوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہے کہ یہ حیوانِ ناطق سے تعبیر ہے۔ متاخرین نحویوں نے جب نحو ایسے خالص لسانی فن میں حدود کو داخل کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسم کی بیس سے زیادہ تعریفیں پیش کرنا پڑیں۔ بلکہ بقول ابن الانباری کے یہ سلسلہ ستر تک پہنچتا ہے اور ان میں کی ایک ایک پر جرح وتنقید کی گئی ہے۔ (۱)

یہی حال متکلمین اور اصولیوں کا ہے کہ کسی ایک تعریف پر بھی ان کا اتفاق نہیں ہو سکا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان فنون میں ان کے ہاں "تصدیقات" کا کوئی ذخیرہ ہی نہیں۔ یا مسائل سے متعلقہ کا کوئی واضح مفہوم یہ لوگ متعین نہیں کر پائے۔ کہنا یہ ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ تصورات کا علم صرف حدود ہی کی منت پذیریوں پر موقوف ہے تو ان علوم وفنون میں ان لوگوں کی مساعی بالکل بے نتیجہ اور بے ثمر ہونی چاہئیں تھیں۔ حالاں کہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ منطقی حدود کے بغیر بھی علوم ومعارف سے بہرہ مندی ممکن ہے۔

---

(۱) الرد علی المنطقیین ص۸

(۵) اسی پہلو کی مزید وضاحت یہ ہے کہ منطقی نقطۂ نظر سے تصوّرِ ماہیت اس چیز پر موقوف ہے کہ حد حقیقی ہو۔ یعنی جنس و فصل کے دو گونہ عناصر سے ترکیب پذیر ہو۔ اور یہ دونوں عناصر ایسے ہیں کہ ان کی ٹھیک ٹھیک تعیین یا تو استحالہ لیے ہوئے ہے، یا حد درجہ اشکالات کی حامل ہے۔ لیکن علم و معرفت کی فتوحات ہیں کہ ان کا سلسلہ اس کے باوجود جاری ہے حالاں کہ اس دعویٰ کا تقاضا یہی تھا کہ جو لوگ تعریف وحد کی کھکھیڑ میں نہیں پڑتے، وہ علوم و فنون کی برکات سے کلیتہً تہی دامن رہیں۔

(۶) ترکیب و تجزیہ کا یہ عمل جو جنس و فصل سے تعبیر ہے جامع نہیں ہے کیونکہ عقول (INTELLIGENCE) پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، یعنی اگرچہ ان کی تعریف بھی کی جاتی ہے اور ان کے بارہ میں احکام و مسائل کی تشریح بھی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ تاہم اس روایتی التزام کو قائم نہیں رکھا جاتا، کہ ان کو جاننے کے لئے جنس و فصل کی باقاعدہ تعیین کی جائے۔

(۷) جب کوئی سامع حد و تعریف پر مشتمل کلمات سنے گا تو محسوس کرے گا کہ یہ ایسے الفاظ سے ترکیب پذیر ہیں جن کے مخصوص معانی ہیں کیونکہ اگر اس کو الفاظ و معانی میں رشتہ و تعلق کی جو الگ الگ نوعیت کارفرما ہے اسی کا علم نہیں ہوگا تو بحیثیت مجموعی یہ فہمِ کلام پر قادر ہو چکا!! اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے اسے روٹی، پانی، زمین اور آسمان وغیرہ کا مسمّی و معنی معلوم ہونا چاہیئے اور پھر ان الفاظ کا جو اُن معانی پر دلالت کناں ہیں۔

اب اگر الفاظ کے سماع سے پہلے کوئی شخص ان کے مسمّی و معنی سے واقف ہے۔ (اگرچہ ان الفاظ سے واقف نہیں ہے کہ جن کو بطور علائم (SYMBOLS) کے استعمال کیا جاتا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حقیقت و معنی کا علم سماع الفاظ کا رہین منت نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ معنی و حقیقت کا تعلق سراسر الفاظ کے استماع سے ہے وہ گویا کھلے بندوں دَور کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں قضایا کی شکل یہ ہوگی:-

(۱) معنی کا تصوّر و ادراک الفاظ پر موقوف ہے۔ اور

۲۔ الفاظ سے پہلے معنیٰ و مسمّی معلوم ہونا چاہیئے۔

(۸) اسی اعتراض کو دوسرے پیرایۂ بیان میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ حد کا اطلاق قول حاد پر کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ الفاظ سے پہلے معانی کا تصوّر و ادراک ممکن ہے اس لیے کہ متکلّم اظہار الفاظ سے پہلے معانی سے بہرحال آگاہ ہوتا ہے اور ٹھیک اسی طرح سامع بھی الفاظ سے پہلے معانی و مسمیات کا پورا پورا ادراک رکھتا ہے۔

(۹) تمام موجودات جو تصوّر و ادراک کی گرفت میں آتی ہیں یا تو براہِ راست حواس کی کارفرمائیوں کا نتیجہ ہیں۔ جیسے مزہ، رنگ اور ہوا وغیرہ کا احساس اور یا پھر حواس باطنہ کے توسّط سے ان کا ادراک ہو پاتا ہے۔ جیسے بھوک، پیاس، محبّت، بغض اور لذت و علم وغیرہ کی کیفیات مختلفہ۔

ان سب کیفیات کا علم کبھی تعیین کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی اطلاق و عموم کی شکل میں ظاہر ہے کہ علم و ادراک کہ یہ دونوں صورتیں حواس سے حاصل ہوتی ہیں، الفاظ و حروف سے نہیں!!

(۱۰) اعتراض کی قریب قریب اسی نوعیت کو علّامہ نے نقض و معارضہ کے رنگ میں بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حد کی صحت کو نقض و معارضہ کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔

نقض یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً یہ کہہ دے کہ یہ حد طرد و عکس کے منطقی پیمانوں کی متحمل نہیں[1] اور معارضہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسری حد کو پیش کیا جائے جو نسبتاً زیادہ صحیح ہو، اور اس کے معارض ہو۔

دونوں صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ 'محدود' (جس کی تعریف بیان کی جائے) کا پہلے سے علم ہو۔ اس لئے کہ جب تک شئی محدود کا علم نہیں ہوگا اس پر طرد و عکس یا معارضہ کیونکر عاید کیا جائے گا۔

---

(۱) الرد علی المنطقیین صفحہ ۷ تا ۱۳

(۱۱) اس سلسلہ کا آخری اعتراض یہ ہے کہ جہاں تک حکماء کا تعلق ہے۔ وہ بغیر کسی اختلاف کے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ تصورات بدیہی ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ صحیح نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بدیہات کی حد تک کم از کم علم حد و تعریف کی منت پذیریوں سے آزاد رہے، رہا علم و تصور کا وہ حصہ جو غیر بدیہی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ علی الاطلاق غیر بدیہی ہو۔ اس لئے کہ علم ایک اضافی امر (RELATIVE) ہے چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک ہی شے کا ادراک ایک شخص کے لیے تو مشاہدہ ہو۔ دوسرے کے لیے اس کی حیثیت خبر متواتر کی ہو، اور تیسرے کے نزدیک محض خبر احاد۔ علم کے بارہ میں اگر یہ تجزیہ درست ہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ جسے آپ غیر بدیہی ٹھہرا رہے ہیں، وہ دوسروں کے نزدیک بدیہی ہو (۱)

غرض علامہ نے حدود سے متعلق اپنی کتابوں میں ایک طویل بحث سپرد قلم کی ہے۔ جس میں بے حد تکرار ہے، حتیٰ کہ جو شخص ان گیارہ اعتراضات پر غور و فکر کرے گا وہ بھی اس حقیقت کو محسوس کیے بغیر نہیں رہے گا کہ ان میں توسیع و اعادہ کی اچھی خاصی مقدار پائی جاتی ہے لیکن اس معاملہ میں علامہ کو اس بناء پر معذور گردانا جا سکتا ہے کہ ان کا انداز ایک خشک فلسفی و حکیم کے بجائے ایک ایسے مبلغ و داعی کا ہے کہ جو صرف اعتراضات کی نشاندہی ہی پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ چاہتا ہے کہ یونانی عقلیات سے متعلق جملہ تنقیدات کو دل کی گہرائیوں میں بھی اتارے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ بار بار ایک ہی مضمون کو الفاظ و پیرایہ بیان کے تنوع کے ساتھ دہراتے چلے جاتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکرار و اعادہ کے ضمن میں، علامہ نے نئے پہلوؤں کو نہیں نکھارا ہے یا نئے نئے مطالب و نکات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

---

(۱) الرد علی المنطقیین صفحہ ۷ تا ۱۳

اعتراضات کا منطقی تجزیہ

بہرحال حدود تعریف پر ان کی طویل ترین تنقید کو چار اہم عنوانوں کے تحت سمیٹا جا سکتا ہے۔

(۱) یہ ایک قضیہ ہے جو صدق و کذب کا متحمل ہے، لہٰذا اثبات کے لیے دلیل کا طالب ہے۔ حالاں کہ تعریف کو بدیہات پر مبنی ہونا چاہیے۔

(۲) جنس قریب یا فصل کے ساتھ پیوستہ جنس کی تعیین سخت دشوار ہے۔ مثلاً جب انسان کی تعریف میں 'حیوان ناطق' کہیں گے تو حیوان کو قریب ترین جنس نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کیونکہ یہ ذی رجلین (دو پاؤں والے) اور ذی ارجل (متعدد پاؤں والے) کے دو خانوں میں تقسیم پذیر ہے۔

(۳) فصل و خاصہ میں کوئی بنیادی امتیاز پایا نہیں جاتا کیونکہ دونوں طرد و عکس کی میزان میں پورے اترتے ہیں۔ ضاحک (ہنسنے والا) بھی اور ناطق بھی۔

(۴) لفظ 'ناطق' سے منطقی جس کو عرض ذاتی سمجھتے ہیں۔ اور فصل و ممیز سے تعبیر کرتے ہیں کسی نئی حقیقت پر قطعی روشنی نہیں پڑتی، بلکہ یہ وہی جانی بوجھی شئے ہے جو پہلے سے انسان کے مفہوم میں داخل تھی ۔ منطقیوں نے صرف یہ کیا ہے کہ اس کے لیے ایک متعین اصطلاح وضع کر لی ہے اور بس۔

نقد و جرح کے اس انداز سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ علامہ حدود و تعریفات کی افادیت کے کسی درجے میں بھی قائل نہیں۔ انہوں نے جابجا اس غلط فہمی کی تردید کی ہے ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ اس سے کسی چیز کی کنہہ و حقیقت کا ادراک نہیں ہو پاتا۔ رہا یہ فائدہ کہ اس سے ایک گونہ تمیز حاصل ہوتا ہے اور اجمال کے کئی گوشے نکھرتے اور واضح ہوتے ہیں تو اس کا انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔

علامہ کا کہنا ہے کہ تعریفات و حدود کا کسی شئے کی کنہہ و حقیقت پر دلالت کناں نہ

ہونے کا نقص ایسا واضح و بیّن ہے کہ رازی، فارابی اور ابن سینا ایسے یونانیت کے پرستاروں سے بھی یہ پوشیدہ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ ان کو بھی متکلمین کے ہم نوا ہو کر اعتراف کرنا پڑا۔ کہ اس کی افادیت کے دائرے تمیز و معرفت سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ (۱)

علم و فن کے ساتھ ناانصافی ہوگی اگر ہم اس مرحلہ پر ان اعتراضات چہارگانہ کی منطقی اہمیّت کا جائزہ نہ لیں اور یہ نہ بتائیں کہ ان میں کون کون صحت و ثواب کا حامل ہے اور کون ایسا ہے کہ جس میں قیل و قال کی گنجایش پائی جاتی ہے۔

آیئے علی الترتیب ان اعتراضات کو غور و فکر کا ہدف ٹھہرائیں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ تعریف یا قول حاد چونکہ دعویٰ میں قضیہ ہے، جو صدق و کذب کا متحمل ہے لہٰذا بدیہی نہ ہوا۔ اور جب بدیہی نہ ہوا تو اس سے تعریف کا مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔

اعتراض بظاہر وزنی ہے، بالخصوص جب یہ دیکھا جائے کہ تعریفات کا دامن بوقلموں دعاوی کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اس میں صحیح معنوں میں وزن و ثقل اسی وقت ابھرتا ہے جب اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ہر ہر قضیہ کے مشمولات صدق و کذب کے دوگونہ پہلوؤں کے حامل ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ کتنے ہی ایسے قضایا ہیں جو بدیہیات و مسلمات پر مبنی ہیں۔ مثلاً "دو اور دو ہمیشہ چار" ہوتے ہیں۔ مثلّث تین زاویوں سے ترکیب پذیر ہے۔ "اجتماع نقیضین محال ہے" یا دور قبلی ممتنع ہے یہ سب اپنی صورت (FORM) کے لحاظ سے صدق و کذب کے احتمالات سے مبرّا ہیں۔ ہاں اگر کہیں کہیں مشمولات کے بدیہی ہونے

---

(۱) دیکھیے الرد علی المنطقیین ص۳۱، ص۴۱، ص۴۳، اسی حقیقت کا اعتراف انیسویں صدی عیسوی میں ہیمل کی تحریروں میں ملتا ہے اس نے "حدود" کو متکلمین کی طرح اسماء سے زیادہ اہمیت نہیں دی، اور اس سلسلہ میں حقیقی حدود اور غیر حقیقی حدود کے امتیاز کو بھی بے معنی قرار دیا ہے۔ دیکھیے ڈویلپمنٹ آف لاجک ص۳۷۳

کو مان لیا جائے، تو اس کی وسعتوں کے پیش نظر یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ چونکہ نہ ایک دعویٰ ہے لہٰذا ثبوت چاہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی بیان کو محض اس بنا پر مسلمہ نہیں قرار دیا جائیگا کہ یہ تعریف وحد کے ضمن میں آتا ہے۔

دوسرا اعتراض اس حقیقت کا غماز ہے کہ قریب ترین جنس کی تعیین دشوار ہے۔ اتنا اعتراض صحیح ہے، مگر یہ اس کے حق میں مضر نہیں اس لئے کہ جنس کے ذکر سے صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ سامع متماثلات کے قریب قریب پہنچ جائے۔ اصل شے جس سے پورا پورا وضوح و تمیز حاصل ہوتا ہے وہ تو بہرحال فصل ہے جس کا ذکر اس کے بعد آتا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ فصل و خاصہ میں کوئی بنیادی فرق پایا نہیں جاتا۔ بنیادی فرق سے اگر یہ مراد ہے کہ طرد و عکس کی ترازو میں دونو پورے اترتے ہیں تو اعتراض بلاشبہ صحیح ہے لیکن اگر یہ مقصود ہے کہ ان دونوں میں عقل و خرد کے نقطہ نظر میں کوئی نمایاں فرق نہیں، تو یہ غلط ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ناطق و ضاحک میں ان معنوں میں ضرور ترادف پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی حیوان ضاحک نہیں ہے تو وہ ناطق بھی نہیں ہے، اور اگر ضاحک ہے تو اس پر ناطق کا بھی قطعی اطلاق ہوگا۔ لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ عقلی نہیں ہے۔

چوتھا اعتراض بہت وزنی ہے، ناطق کہہ دینے سے سطح ذہن پر فی الحقیقت کوئی نئی حقیقت جلوہ گر نہیں ہوتی، بلکہ وہی کچھ وضوح و تعیین اختیار کرتا ہے جو پہلے سے انسان کے تصور میں داخل ہے۔

حکماء مغرب اور حدود و تعریفات کی حیثیت

حدود و تعریفات پر نقد و تبصرہ کی بحث ناتمام اور تشنہ رہے گی، اگر ہم اس کے مقابلہ میں حکماء مغرب کے تنقیدی افکار کو پیش نہ کریں انہیں دیکھیے اور بتائیے کہ ان کی جولانیٔ طبع نے کیا کیا جدت طرازی کی ہے؟ اور علامہ ابن تیمیہ نے اس سلسلہ میں احتساب و تبصرہ کے پیمانوں کو جن بلندیوں تک اچھال دیا تھا یہ ان سے کتنا آگے بڑھ پائے ہیں۔

قابلِ غور چیز یہ ہے کہ لاک (LOCK) نے اس طنز سے کس طرف طرازی کا ثبوت دیا ہے کہ ارسطو سے پہلے کیا لوگ انسان کو دو ٹانگوں پر چلنے والا حیوان ہی سمجھتے تھے کہ اس نے آکر اس غلط فہمی کو دُور کیا۔ اور کہا کہ یہ حیوان ناطق سے تعبیر ہے (۱)

کیا یہ طنز کی صورت میں وہی پیش پا افتادہ نکتہ نہیں جس کو ابن تیمیہ کے قلم رنگین نے کئی کئی انداز سے نکھارا اور واضح کیا ہے۔

اسی طرح پورٹ رائل لاجک (PORT ROYAL LOGIC) کے مصنف جب یہ کہتے ہیں کہ تعریف صرف اس تصوّر کو اُجاگر کرتی ہے جو پہلے سے الفاظ معرفہ کے ساتھ وابستہ ہے تو وہ کونسی نئی بات کہتے ہیں۔

لائبنیز (LEIBNIZ) کی اس تنقید میں بھی کیا پیچ پنہاں ہے کہ تعریف صرف اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ شئے محدود کسی تناقض سے دوچار نہیں ہے، یعنی یہ کہ یہ ممکن ہے۔

سیکاری (SACCHERI) نے یہ کہہ کر امکان کی مزید وضاحت کی ہے کہ "تعریف" چونکہ شئ محدود کے امکان کو واضح کرتی ہے۔ لہٰذا اس امکان کو مرتبۂ اثبات پر بھی فائز ہونا چاہیئے۔ غور فرمایئے یہ علامہ کے اسی پہلے اعتراض کی صدائے بازگشت نہیں ہے کہ تعریف ایک حقیقت ہے جو صدق و کذب کی متحمل ہے۔ لہٰذا اسے دلیل و برہان کی منت پذیریوں سے آزاد نہیں گردانا جا سکتا۔

متکلمین اسلام اور علامہ ابن تیمیہ کی کاوش فکری نے آخر آخر جو فیصلہ صادر فرمایا وہ یہ تھا کہ تعریفات و حدود کا معاملہ دلالت اسماء سے مختلف نہیں ہے۔ بعینہٖ مل نے بھی باندازِ دیگر یہی کہا ہے کہ تعریف بہرحال ایک اصطلاح ہے، اور اصطلاحوں کی تشریح و توضیح جس ڈھنگ سے ہوتی ہے، اسی اسلوب سے تعریف کی تشریح و توضیح ہونا چاہیئے۔

---

۱ دی ڈویلپمنٹ آف لاجک ص ۳۱۳

فریگ (FREGE) نے ان سے البتہ مختلف روش اختیار کی ہے۔ اس نے کھل کر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ استدلال و قیاس کی طرح تعریفات میں بھی اُبھر سکتا ہے اور پھر اس منفی انداز تنقید ہی پر اس نے اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آگے بڑھ کر ایسے سات اصولوں کی بھی وضاحت کی ہے کہ جن کو ملحوظ و مرعی رکھنے سے انسان سفسطے سے دامن کشاں رہ سکتا ہے۔ (۱)

مقولات یا وجود ہستی کے پیمانے

کیا یہ دس ہی میں منحصر ہیں۔ مقولات (CATEGORIES) کے ارسطاطالیسی تصور پر بھی علامہ نے جرح کی ہے مگر اس جرح کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہو پایا۔ ان کی رائے میں وجود کائنات کی بوقلمونیوں کو صرف ان دس ہی اجناس میں منحصر نہیں مانا جا سکتا۔

لا دلیل لھم علی حصر اقسام الوجود فی المقولات العشر (۲)

اتباع ارسطو کے پاس اقسام وجود کو مقولات عشر میں منحصر اور سمٹا ہوا ماننے پر کوئی دلیل نہیں۔

علامہ نے اس بارہ میں ارسطو کے ماننے والوں کے اس اختلاف کو بھی نقل کیا ہے :۔

جعلھا بعضھم خمسۃ وبعضھم ثلاثۃ الکم والکیف، والاضافۃ (۳)

بعض نے ان اجناس کو پانچ قرار دیا ہے، اور بعض نے ان تین ہی کی وضاحت کی ہے۔ کم، کیف اور اضافت

مقولات عشر کی تفصیل یہ ہے :۔ جوہر[۱]، کم[۲]، کیف[۳]، اضافت[۴]، این[۵]، متی[۶]، وضع[۷]، ملک[۸]، فعل[۹]، انفعال[۱۰]۔

ایک ستم ظریف نے ان سب کو اس بند میں جمع کر دیا ہے۔

---

(۱) ان امور کی وضاحت کے لئے دیکھئے ڈویلپمنٹ آف لاجک ص ۳۲۴، ۳۱۶، ۳۴۸، ۳۴۳، ۳۴۸، ۵۰۹

(۲، ۳) الرد ص ۱۳۲ ۔ سہروردی مقتول اور ابوالبرکات بغدادی کے نزدیک مقولات اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

زید[1] الطویل[2] الاسود[3] ابن مالک[4] فی دارہ[5] بالامس[6] کان یتکی[7]
فی یدہ سیف[8] نضاہ[9] فانتضی[10] فھذہ عشر مقولات سوی

زید[1] بن مالک[4] جو دراز[2] قد اور سیاہ[3] رنگ کا انسان ہے۔ کل[6] اپنے گھر[5] میں ٹیک[7] لگاتے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار[8] تھی، جس کو اس نے میان سے باہر[9] نکالا، اور وہ باہر نکل[10] آئی۔

یعنی زید جوہر ہے، طویل یا دراز قد کم ہے، ابن مالک اضافت ہے۔ اپنے گھر میں مکان و این کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ ہیں ٹھیک ٹھیک دس مقولات۔ (CATEGORIES)

ارسطو نے اور جانون میں جہاں الفاظ کی بحث کی ہے وہاں یہ بتایا ہے کہ بیان و اظہار کے یہ علائم (SYMBOLS) دو قسم کے ہیں ایک سادہ یا بسیط (SIMPLE) دوسرے مرکب (COMPOUND) پھر سادہ الفاظ کو دلالت و معنی کے اعتبار سے ان دس مقولات میں تقسیم کیا ہے۔ بحث کی ان تفصیلات کے لئے اورجانون کی فصل پنجم و ہشتم کو غور سے پڑھنا چاہیئے۔

ان میں ایک طرح کا ابہام پایا جاتا ہے

مقولات کے سلسلہ میں جدید حکماء نے ایک خاص ابہام (AMBIGUITY) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ارسطو کی تصریحات سے صاف طور پر معلوم ہوجاتا کہ آیا اس کا منشاء ان الفاظ و علائم کی تشریح کرنا ہے۔ جن کا تعلق اقسام وجود سے ہے یا یہ براہ راست ان اقسام وجود کی وضاحت و تشریح کرنا چاہتا ہے۔

پہلی صورت میں تو بلاشبہ مقولات کا تعلق منطق سے قائم رہتا ہے۔ لیکن اگر اس کا منشا یہ ہے کہ موجودات (OBJECTS) کی تشریح کرے تو پھر یہ مسئلہ خالص منطق کا نہیں رہتا۔ بلکہ مابعد الطبیعیات (METAPHYSICS) کا ہو جاتا ہے۔

اورجانون کے مطالب پر جن لوگوں نے غور و فکر کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مقولات

سے ارسطو کا مقصد بیک وقت مسئلہ کے ان دونو پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔ اس پہلو کو بھی جس کا تعلق الفاظ و علائم سے ہے اور اس پہلو کو بھی کہ جس کا تعلق اقسام وجود سے ہے کیونکہ اس کا ہدف اصلی افلاطون کا نظریہ مُثُل (FORMS) اور مقولات کی تشریح و وضاحت سے ارسطو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ نظریہ حد سے زیادہ فکری سادگی (OVER-SIMPLIFICATION) لئے ہوئے ہے اس لئے کہ یہ نظریہ اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ انسان، فرس، میز اور کرسی وغیرہ تحقق و وجود محض بسیط صورتیں ہیں، جو حقیقی و مطلق (IDEAL) امثال کا پرتو یا انعکاس ہیں، حالانکہ جہاں تک وجود کے ان سانچوں کا تعلق ہے جن کو ہم مقولات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان میں ڈھل کر یہ یہ مفرد و بسیط حقائق کئی کئی رنگ اختیار کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس صورت میں ایک حقیقت ہی نہیں رہتی بلکہ مختلف حقائق میں بدل جاتی ہے۔ مثلاً ایک طویل القامت انسان، سیاہ رنگ کے انسان سے مختلف ہے، سیاہ رنگ کا انسان، زمان، مکان کے اختلاف سے ان تینوں سے جُدا شخصیت کا مالک ہے۔ اسی طرح اضافت فعل اور انفعال سے وجود کی نوعیت پر اثر پڑتا ہے۔ ارسطو دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ وجود و تحقق کا یہ سارا کارخانہ صرف بسائط ہی پر مشتمل نہیں ہے کہ ان میں ہر ایک کو ظل یا پرتو سے تعبیر کر لیا جائے اور ان کی اصل صورت کو مثال کہہ لیا جائے، بلکہ یہاں یہ دس ایسے سانچے یا دس ایسے شرائط وجود ہیں کہ جن میں ہر اس شئے کو ڈھلنا ہے جو تحقق و ثبات کی سطح پر ابھرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ایک شئے، ایک ہی شئے نہیں رہتی، بلکہ گوناگوں تنوع کی حامل بن جاتی ہے۔

علامہ نے اپنی تصنیفات میں مقولات کے اس کمزور پہلو پر روشنی نہیں ڈالی۔ اور اس ابہام کو جرح و تنقید کا ہدف نہیں ٹھہرایا۔